34

جنگ کے بعد دنیا پھر ایک ظلم کا بیج بونے والی ہے

(فرمودہ 29 ستمبر 1944ء بمقام ڈلہوزی)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

"پچھلے جمعہ میں مَیں نے اِس مضمون پر خطبہ بیان کیا تھا کہ ہر کام کے لیے ایک مناسبِ حال طاقت اور قوت کی ضرورت ہوتی ہے اور جب تک اس کے مناسبِ حال طاقت اور قوت استعمال نہ کی جائے اُس وقت تک اُس کام میں کامیابی بالکل محال اور ناممکن ہوتی ہے۔ اور یہ کہ اگر کسی قوم کو خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ وعدہ دیا جائے کہ باوجود غیر معمولی حالت کے جن میں عام طور پر کسی شخص کا اپنی کامیابی کے متعلق دعوٰی کرنا جنون سمجھا جاتا ہے، اُس قوم کو کامیابی حاصل ہو جائے گی تو اللہ تعالیٰ اُس قوم سے یہ ضرور امید رکھتا ہے کہ وہ اتنی محنت، اتنے جوش اور اتنی قربانی سے کام کرے کہ دنیا اُسے پاگل کہنے لگ جائے۔ اور مَیں نے بتایا تھا کہ ہمیں دنیا ایک لحاظ سے پاگل کہتی بھی ہے۔ یعنی اِس لحاظ سے کہ ہم ایک ایسا کام کرنے کا دعوٰی کرتے ہیں جس کام میں کامیابی بظاہر حالات بالکل ناممکن ہے۔ اِس لیے لوگ کہتے ہیں کہ یہ قوم مجنون ہے۔ لیکن اِس کے علاوہ ایک دوسرا طریق بھی ہوتا ہے جس کے ماتحت انبیاء کے زمانہ میں اُن پر ایمان لانے والے لوگ ہمیشہ مجنون کہلاتے رہے ہیں اور وہ طریق یہ ہے کہ وہ

ایسی محنت کرتے ہیں جو محنت عام طور پر عقلمند انسان نہیں کیا کرتا۔ ایک عقلمند انسان کی مختلف ضرورتیں ہوتی ہیں۔ مختلف خواہشات ہوتی ہیں، مختلف اغراض ہوتی ہیں، مختلف میلانات ہوتے ہیں اور وہ ان مختلف خواہشوں، مختلف میلانوں اور مختلف اغراض کے ماتحت اپنے اوقات اور اپنے اموال کی تقسیم کر دیتا ہے۔ ہر چیز کے مناسبِ حال رقم مقرر کر دیتا ہے اور ہر چیز کے مناسبِ حال وقت مقرر کر دیتا ہے۔ لیکن پاگل چونکہ ایک ہی طرف لگ جاتا ہے اور باقی تمام پہلوؤں سے اپنی توجہ کو ہٹا لیتا ہے اِس لیے لوگ اُس کو پاگل کہتے ہیں۔ ایک ہوش مند اور عقل و فہم رکھنے والا انسان کچھ وقت اپنے بیوی بچوں میں صَرف کرتا ہے، کچھ وقت ہمسائیوں کے حقوق کی ادائیگی میں صَرف کرتا ہے، کچھ وقت دکان وغیرہ میں صرف کرتا ہے، کچھ وقت اپنے پیشہ پر صَرف کرتا ہے اور کچھ حصہ اُس کے اوقات کا سیر وسیاحت میں صَرف ہو جاتا ہے۔ اِس طرح اُس کا وقت مختلف کاموں اور مختلف ضرورتوں کو سرانجام دینے کے لیے تقسیم ہو جاتا ہے۔ لیکن پاگل کی یہ حالت ہوتی ہے کہ اگر اُسے اینٹیں ڈھونے کا خیال آ جائے تو وہ دن کو بھی اینٹیں ڈھوتا رہے گا، رات کو بھی اینٹیں ڈھوتا رہے گا، صبح کو دیکھا جائے تو اس وقت بھی وہ اینٹیں ڈھو رہا ہو گا اور شام کو دیکھا جائے تو اُس وقت بھی وہ اینٹیں ڈھونے میں مشغول ہو گا۔ نہ اُسے بیوی کا خیال ہو گا، نہ اُسے دوستوں اور عزیزوں کا خیال ہو گا اور نہ اُسے کسی اَور کام کا خیال ہو گا۔ وہ اپنے تمام اوقات صَرف ایک ہی کام میں صرف کر دے گا۔ یہی وہ بات ہے جس کی طرف مومنوں کو قرآن کریم میں ان الفاظ میں توجہ دلائی گئی ہے کہ مِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَ حَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ[1] فرماتا ہے اے مسلمانو! تمہارے سامنے صرف ایک ہی مقصد رہنا چاہیے کہ ہم نے مکہ فتح کرنا اور وہاں اسلام کو قائم کرنا ہے۔ اس لیے مِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَ حَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ تم جہاں سے بھی نکلو، جدھر سے بھی چلو تمہارے دل اور تمہارے دماغ پر صرف ایک ہی خیال غالب رہے کہ ہم نے کسی طرح مکہ فتح کرنا ہے اور وہاں اسلام کی بنیادوں کو پوری مضبوطی کے ساتھ قائم کر دینا ہے۔ یہ پروگرام تھا جو مسلمانوں کا مقرر کیا گیا۔

اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ پروگرام ان کی طاقت سے بہت بالا تھا۔ بے شک عرب آرگنائزڈ سٹیٹ(ORGANIZED STATE) نہیں تھی مگر وہ انارکی بھی نہیں تھی۔ عرب کی ایک حکومت سمجھی جاتی تھی۔ مختلف بادشاہ اُس کے ساتھ تعلق رکھتے اور معاہدات وغیرہ کرتے تھے۔ اِس طرح مکہ گو ڈِس آرگنائزڈ(DISORGANIZED) ہو مگر بہر حال وہ ایک ایسے ملک کا دارالحکومت تھا جس کی آبادی 15، 20لاکھ تھی۔ ارد گرد کے تمام قبائل کی نگاہیں اِسی کی طرف اٹھتی تھیں اور وہ اِس کے فیصلوں اور حکموں کو واجبُ الِاطاعت سمجھتے تھے۔ پھر اُس زمانہ کے لحاظ سے وہ ایک بہت بڑا شہر تھا۔ پندرہ سولہ ہزار اُس کی آبادی تھی۔ اور نہ صرف تمام کی تمام آبادی بلکہ ملک بھر کے پندرہ بیس لاکھ آدمی سب کے سب سپاہی تھے۔ فنونِ جنگ میں بہت بڑی مہارت رکھتے تھے۔ جنگجو، بہادر اور لڑاکے تھے اور مسلمانوں کے لیے اُن کا مقابلہ کرنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ جس وقت یہ آیت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر نازل ہوئی ہے اُس وقت مسلمانوں میں صرف چار پانچ سَو سپاہی تھے۔ زیادہ سے زیادہ ہزار سمجھ لو اور عورتوں اور بچوں وغیرہ کو ملا کر اُن کی کُل تعداد گیارہ بارہ ہزار ہو گی اِس سے زیادہ مسلمانوں کی تعداد نہیں تھی۔ اور ان کی جنگی طاقت تو بہر حال ناقابلِ ذکر تھی۔ مگر ایسی حالت میں جب کہ مسلمان سخت کمزور تھے، جب اُن کی تعداد کفار کے مقابلے میں کوئی نسبت ہی نہیں رکھتی تھی، جب اِن کے پاس لڑائی کا کوئی سامان نہ تھا اور جب اِن کی جنگی طاقت کفار کے مقابلہ میں کوئی حقیقت نہیں رکھتی تھی اللہ تعالیٰ تمام کفار کو چیلنج دیتا ہے کہ یہ مسلمان گو تمہیں تھوڑے دکھائی دیتے ہیں، تمہیں کمزور اور ناطاقت نظر آتے ہیں مگر یہی مسلمان ایک دِن تمہارے ملک کو فتح کریں گے، تمہارے دارالحکومت پر قابض ہوں گے اور وہاں اِن کو اِس قدر غلبہ میسر آجائے گا کہ یہ اسلام کے احکام کو وہاں جاری کریں گے اور کفر کو عرب کی سرزمین سے بالکل مٹا دیں گے۔ یہ دعویٰ مسلمانوں کی حالت کے لحاظ سے ایک مجنونانہ دعویٰ تھا اور پھر یہ دعویٰ ایسا تھا جو کسی خاص علاقہ سے مخصوص نہیں تھا بلکہ اس دعویٰ کا اثر وسیع سے وسیع تر تھا۔ کیونکہ نہ صرف اِس میں مکہ کو فتح کرنے کی پیشگوئی کی گئی تھی، نہ صرف عرب پر غالب آ جانے کا اعلان کیا گیا تھا

بلکہ عیسائیت کو بھی چیلنج دیا گیا تھا، یہودیت کو بھی چیلنج دیا گیا تھا، مجوسیت کو بھی چیلنج دیا گیا تھا، ہندومت کو بھی چیلنج دیا گیا تھا اور بڑے زور سے یہ اعلان کیا گیا تھا کہ اِن تمام مذاہب کو شکست دے کر اسلام ساری دنیا پر غالب آجائے گا۔ یہ دعوٰی بھی ایک مجنونانہ دعوٰی تھا۔ اِس وجہ سے کفار رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پاگل کہا کرتے تھے اور صحابہؓ کو بھی وہ پاگل سمجھتے تھے کیونکہ وہ ایک ایسا دعوٰی کر رہے تھے جس کے پورا ہونے کے اِس مادی دنیا میں اُنہیں کوئی اسباب نظر نہیں آتے تھے۔ دعوٰی کے لحاظ سے جس طرح لوگ آج ہمیں پاگل کہتے ہیں اور اُن کا حق ہے کہ وہ ہمیں پاگل کہیں۔ اِسی طرح دعوٰی کے لحاظ سے وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ کو بھی پاگل کہا کرتے تھے۔ اور جہاں تک ان کی محدود عقلوں کا سوال تھا اُن کا حق تھا کہ وہ ایسا کہتے کیونکہ یہ دعوٰی ایسا تھا جو انسانی طاقتوں سے بالا تھا۔ مگر جس طرح مَیں نے گزشتہ خطبہ میں توجہ دلائی تھی صرف دعوٰی کے لحاظ سے نہیں بلکہ عمل کے لحاظ سے بھی دنیا کو ہمیں پاگل سمجھنا چاہیے اور ہمیں ایسے جوش، ایسی محنت اور ایسی قربانی سے کام کرنا چاہیے کہ دنیا کہہ اُٹھے یہ قوم صرف اپنے دعوٰی کے لحاظ سے ہی اپنے اندر جنون نہیں رکھتی تھی بلکہ عملی لحاظ سے بھی ایک پاگل اور دیوانی قوم ہے۔ یہی بات قرآن کریم نے مسلمانوں کے سامنے رکھی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ صحابہؓ کو مخاطب کر کے فرماتا ہے حَیْثُ مَا کُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ پاگل وہ ہوتا ہے جو اپنی تمام تر توجہ صرف ایک کام کی طرف لگا دیتا ہے۔ اور جب کوئی شخص دِن رات صرف ایک کام میں مشغول رہتا ہے، کسی اَور کام کا اُسے ہوش نہیں ہوتا تو لوگ کہتے ہیں یہ پاگل ہو گیا ہے۔ کیونکہ اُسے کسی اَور بات کا خیال ہی نہیں۔ اُٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، سوتے اور جاگتے اُسے ایک ہی دُھن لگی ہوئی ہے۔ اِسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے حَیْثُ مَا کُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ تم دنیا کا کوئی کام کر رہے ہو، تم تجارت میں مشغول ہو یا زراعت میں مصروف ہو یا اپنے دوست کی ملاقات کے لیے جا رہے ہو یا لڑائی کے لیے نکل رہے ہو فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ تمہارا منہ ہمیشہ مکہ کی طرف رہنا چاہیے۔ یعنی تمہارے سامنے صرف ایک مقصد رہنا چاہیے کہ تم نے مکہ فتح کرنا ہے اور کوئی خیال، کوئی کام، کوئی جذبہ اور کوئی خواہش تمہارے اِس مقصد پر غالب نہیں آنی چاہیے۔ یہی دُھن ہے جو تمہیں

آٹھوں پہر رہے۔ یہی خیال ہے جو ہر وقت تمہارے دماغوں میں چکر لگاتا رہے اور یہی پروگرام ہے جو تمہاری نظروں کے سامنے رہے۔ اور کسی شخص کا ایک ہی مقصد کی طرف اپنی تمام توجہ کو صَرف کر دینا اِسی کو دنیا جنون کہتی ہے۔ بلکہ موجودہ طب میں تو مانومینیا(MANOMANIA)2 ایک اصطلاح بھی بن گئی ہے جو اِسی جنون کے لیے استعمال کی جاتی ہے جس میں انسان پر ہمیشہ ایک ہی قسم کا خیال غالب رہتا ہے۔ وہ اَور باتوں میں عام لوگوں کی طرح ہوتا ہے لیکن پھر بھی اُسے پاگل کہا جاتا ہے کیونکہ لوگ کہتے ہیں یہ وہ شخص ہے جس کی ساری توجہ صرف ایک بات کی طرف مبذول ہو گئی ہے۔ اور گو دوسری باتوں کے لحاظ سے اُس میں معقولیت بھی دکھائی دیتی ہے مگر چونکہ کسی خاص بات کی طرف وہ حد سے زیادہ توجہ کرتا ہے اور وہ خیال اُس کے دل اور دماغ میں ایسی مضبوطی سے جاگزیں ہو جاتا ہے کہ گویا اُس خیال نے اُس کا چاروں طرف سے احاطہ کر لیا ہے اور بجز اُس خیال کے وہ کسی اَور کام کی طرف توجہ نہیں کرتا۔ اِس لیے طبّی اصطلاح میں اِس کو مانومینیا کہا جاتا ہے۔ اِسی وجہ سے آج تک دشمنانِ اسلام رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر یہ الزام لگاتے چلے آئے ہیں کہ آپ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ پاگل تھے کیونکہ وہ حیرت سے دیکھتے تھے کہ یہ کیسا شخص ہے کہ رات اور دِن اور اُٹھتے اور بیٹھتے اور سوتے اور جاگتے اسے ایک ہی دُھن ہے کہ جس مقصد کے لیے مَیں دنیا میں بھیجا گیا ہوں وہ پورا ہو جائے اور اسلام اپنی پوری شان کے ساتھ قائم ہو جائے۔

دنیا میں اَور بھی کئی لوگ ایسے ہوئے ہیں جنہیں بعض کاموں کی بڑی دُھن تھی۔ نپولین بڑی دُھن والا تھا، ہٹلر بڑی دُھن والا ہے، اِسی طرح مسولینی بڑی دُھن والا تھا۔ مگر اِن لوگوں کی زندگیوں پر جب ہم غور کرتے ہیں تو یہ لوگ ہمیں اَور کاموں اور بعض دوسری قسم کے مشاغل میں بھی مصروف نظر آتے ہیں۔ کوئی آرٹ کا دلدادہ ہوتا ہے، کوئی میوزک کا دِلدادہ ہوتا ہے اور کوئی کسی اَور چیز کا دلدادہ ہوتا ہے۔ مثلاً مسولینی تھا اُس کو ہوائی جہازوں کا بڑا شوق تھا۔ ہوائی جہازوں کے کارخانوں میں جانا، اُن کو دیکھنا اور ہوائی جہازوں کو اُڑانا اس کا خاص مشغلہ تھا۔ اِسی طرح وہ اپنے بیوی بچوں میں وقت کا ایک کافی حصہ صَرف کیا کرتا تھا۔ ہٹلر ہے اُس کو بھی بعض قسم کے شوق ہیں۔ نپولین تھا اُس کو بھی بعض قسم کے شوق تھے۔

پس باوجود ایک دُھن رکھنے کے یہ لوگ بعض اَور مقاصد سے بھی دلچسپی رکھتے تھے اور اپنے اوقات ان میں صَرف کیا کرتے تھے لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ہم دیکھتے ہیں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ آپ اپنی بیویوں سے جب بات کرتے ہیں تو یہی ہوتی ہے کہ اسلام دنیا میں کس طرح پھیل سکتا ہے۔ بچوں سے بات کرتے ہیں تو اُس کا بھی ایک ہی مقصد ہوتا ہے کہ اسلام کسی طرح دنیا میں قائم ہو، ہمسائیوں سے ملتے ہیں تو اُس کی تہہ میں بھی ایک ہی غرض کام کر رہی ہوتی ہے کہ اسلام کی تعلیم لوگوں کے قلوب میں راسخ ہو۔ اِسی طرح قضاء کا کام کرتے ہیں تو اُس میں بھی اسلام کا غلبہ مد نظر ہوتا ہے۔ جرنیلی کا فرض سرانجام دیتے ہیں تو اُس وقت بھی یہی بات پیش نظر رہتی ہے کہ اسلام دنیا پر غالب آئے اور کفر کا خاتمہ ہو۔ لڑائی کرتے ہیں تو اُس میں بھی کوئی ذاتی غرض کام نہیں کر رہی ہوتی بلکہ اسلام کا غلبہ، دین کا قیام اور خدا تعالیٰ کے احکام کا اجراء ہر وقت سامنے ہوتا ہے۔ غرض کوئی کام ہو، کوئی بات ہو، کوئی شغل ہو صرف ایک ہی چیز رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رہتی تھی یعنی اسلام کا غلبہ اور دین کا قیام۔ اور یہی وہ چیز ہے جس کو لوگ جنون کہتے ہیں۔ اِسی کو جب وہ کسی ادنیٰ مقصد کے لیے ہو اور لغو ہو طبی اصطلاح میں مانومینیا کہتے ہیں اور ایسے ہی شخص کو لوگ پاگل اور مجنون کہا کرتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ جب تک غیر معمولی کاموں کے لیے ہر انسان کے اندر وہ حالت نہ پیدا ہو جائے جسے بعض حالتوں میں طب مانومینیا کہتی، جب تک وہ اَور تمام مقاصد کو بُھول نہ جائے، جب تک اُس کے اندر ہر وقت ایک خلش اور بے تابی نہ پائی جائے اور جب تک ان غیر معمولی کاموں کے لیے اُس کے اندر جنون کا سا رنگ پیدا نہ ہو جائے اُس وقت تک اُن کاموں میں کبھی کامیابی نہیں ہو سکتی۔ پس جس چیز کی طرف مَیں اپنے سابق خطبہ میں توجہ دلا چکا ہوں اُسی کی طرف قرآن کریم نے بھی اِن الفاظ میں توجہ دلائی ہے کہ حَیْثُ مَا کُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْھَکُمْ شَطْرَہٗ تم باقی تمام مقاصد کو بھول جاؤ اور صرف اِس مقصد کو اپنے سامنے رکھو کہ ہم نے اسلام کے لیے دنیا کو فتح کرنا ہے۔ لوگ اِس آیت کے معنے یہ سمجھتے ہیں کہ تم جہاں سے بھی نکلو قبلہ کی طرف اپنا منہ کرو۔ حالانکہ اگر اِس آیت کے یہ معنے ہوتے کہ

تم قبلہ کی طرف ہمیشہ اپنا منہ رکھا کرو تو مِنۡ حَیۡثُ خَرَجۡتَ کے الفاظ آیت میں نہ ہوتے بلکہ ان الفاظ کی بجائے یہ الفاظ ہوتے کہ تم جہاں کہیں ہو قبلہ کی طرف اپنا منہ رکھو۔ قبلہ کی طرف منہ کرنے کے لیے جہاں کہیں کے الفاظ ہونے چاہییں تھے نہ یہ کہ تم جہاں سے بھی نکلو قبلہ کی طرف اپنا منہ پھیر دو۔ کیا لوگ کہیں سے نکلنے کے وقت نمازیں پڑھا کرتے ہیں؟ نکلنے کے وقت تو لوگ چلا کرتے ہیں نمازیں نہیں پڑھا کرتے۔ پس اِس آیت کا نمازوں کی ادائیگی کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ بلکہ اِس آیت کا صرف یہ مطلب ہے کہ تم جہاں سے بھی نکلو تمہارے سامنے صرف ایک ہی مقصد ہونا چاہیے کہ تم نے مکہ فتح کرنا اور وہاں اسلام کو قائم کرکے سارے عرب کو اپنے زیر اثر لانا ہے۔ اِن معنوں کے لحاظ سے مِنۡ حَیۡثُ خَرَجۡتَ فَوَلِّ وَجۡهَكَ شَطۡرَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ وَ حَیۡثُ مَا كُنۡتُمۡ فَوَلُّوۡا وُجُوۡهَكُمۡ شَطۡرَهٗ کا نماز کے ساتھ کوئی جوڑ ثابت نہیں ہوتا۔ نماز تو انسان کھڑا ہو کر پڑھتا ہے۔ اس کا انسان کے خروج کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ پس اِس آیت کے معنے یہی ہیں کہ تم کوئی کام کرو، کسی طرف سے بھی نکلو، چاہے تم اس مقام سے نکلو جس کا منہ مشرق کی طرف ہو، چاہے تم اُس مقام سے نکلو جس کا منہ مغرب کی طرف ہو، چاہے تم اُس مقام سے نکلو جس کا منہ شمال کی طرف ہو اور چاہے تم اُس مقام سے نکلو جس کا منہ جنوب کی طرف ہو بہر حال تمہارا منہ مکہ کی طرف ہونا چاہیے۔ یعنی تمہاری توجہ اور تمہارا خیال اور تمہارا ذہن صرف اِسی بات کی طرف رہنا چاہیے کہ تم نے مکہ کو فتح کرنا ہے۔ وُجُوۡہٌ کے معنے توجّہات کے بھی ہوتے ہیں۔ پس معنے یہ ہیں کہ تمہارا ایک ہی مقصد ہونا چاہیے کہ تم نے خانہ کعبہ کو فتح کرکے اسے اسلام کا مرکز بنانا ہے۔ کیونکہ جب تک مکہ میں اسلام پھیل نہیں جاتا، جب تک مکہ مسلمانوں کے ماتحت نہیں آجاتا اُس وقت تک باقی تمام عرب مسلمان نہیں ہو سکتا۔ ہماری جماعت کے لیے بھی اِس اصول کے ماتحت چلنا نہایت ضروری ہے اور اگر جماعت کے افراد اپنے کاموں میں اِس کو نظر انداز کر دیتے ہیں تو وہ اپنی ترقی کی ساعت کو بہت پیچھے ڈال دیتے ہیں۔

مَیں نے بتایا تھا کہ جس کام کے لیے ہم کھڑے ہوئے ہیں وہ دنیا کے تمام کاموں سے ایک ممتاز حیثیت رکھتا ہے۔ یورپ اور انگلستان اور امریکہ جیسے عیاش ملکوں اور چین اور جاپان

جیسے آزاد ملکوں کو جو کسی شریعت کے پابند نہیں ہیں اسلام کا حلقہ بگوش بنانا اور وہاں کے رہنے والوں کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں لانا کوئی آسان کام نہیں۔ یورپ اور امریکہ میں بے شک عملاً آزادی ہے مگر عقیدۃً اور ذہناً وہ آسمانی قانون کو قبول کرنے کے لیے تیار رہتے ہیں۔ لیکن چین اور جاپان کسی آسمانی قانون کو نہیں مانتے۔ اِس لیے گو ان میں اتنی آزادی نہیں جتنی یورپ اور امریکہ میں پائی جاتی ہے مگر پھر بھی ان کے دماغ آسمانی قانون کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ اِس کے مقابلہ میں یورپ اور امریکہ آسمانی قانون ماننے کے لیے تو تیار ہیں لیکن اپنی عادتوں اور طرزِ رہائش وغیرہ کی وجہ سے وہ آسمانی قانون کو قبول کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اگر ہم نے آسمانی باتوں کو مانا تو ہمیں اپنے تمدن اور اپنے طریقِ رہائش کو یکسر بُھولنا پڑے گا اور یہ چیز بظاہر حالات ان کے لیے ناقابلِ برداشت ہے۔ اِن سارے ملکوں کو اور پھر ان مسلمانوں کو جو دنیا میں بالکل گرے ہوئے ہیں اور جن کی کہیں بھی کوئی حیثیت تسلیم نہیں کی جاتی اسلام کا تابعِ فرمان بنانا ہمارا اولین فرض ہے۔ ہمارا دعوٰی ہے کہ ہم مسلمانوں کو نئے سرے سے مسلمان بنائیں گے۔ ہمارا دعوٰی ہے کہ ہم دنیا میں نئے سرے سے قرآن کی حکومت قائم کریں گے۔ ہمارا دعوٰی ہے کہ ہم دنیا کے تمام مذاہب اور تمام حکومتوں کو اخلاقی طور پر مٹا کر خدا کی بادشاہت دنیا میں جاری کریں گے اور اِس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہمارا یہ دعوٰی ایسا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے الہامات اور ایمان سے علیحدہ ہو کر ہم خود بھی اِس پر غور کرنے لگیں اور یہ فیصلہ کرنے بیٹھیں کہ ہم اِس دعوٰی میں عقل سے کام لے رہے ہیں یا جنون اور پاگل پن کی کیفیت ہم پر طاری ہے تو ہمیں یہی فیصلہ کرنا پڑے گا کہ ہم پاگل اور مجنون ہیں۔ کیونکہ ہم وہ دعوٰی کر رہے ہیں جن کے پورا ہونے کی بظاہر حالات کوئی صورت نہیں۔ لیکن ہمارے اِس دعوٰی کی بنیاد محض اِس بات پر نہیں کہ چونکہ ہم ایسا کہتے ہیں اِس لیے دنیا میں یہ تغیر پیدا ہو کر رہے گا بلکہ ہمارے دعوٰی کی دلیل یہ ہے کہ ہمیں خدا تعالیٰ نے ایسا کہا ہے۔ اور جس کام کے کرنے کا خدا تعالیٰ وعدہ کرے وہ کام دنیا میں ہو کر رہتا ہے۔ حکومتیں مٹ جاتی ہیں، طاقتیں فنا ہو جاتی ہیں، روکیں کٹ جاتی ہیں لیکن وہ بات سچی ہو کر رہتی ہے جس کے کرنے کا خدا تعالیٰ نے وعدہ کیا ہو۔ پس جس طرح کسی تاگے سے کوئی چیز

لٹکی ہوئی ہو اور اگر اُس تاگے کو توڑ دو تو وہ چیز گر کر ٹوٹ جاتی ہے۔ اِسی طرح ہم میں اور مجنون میں اگر کوئی فرق ہے تو یہ کہ ہمارا دعوٰی الٰہی الہام کی بنیادوں پر قائم ہے۔ ورنہ ہماری سب باتیں مجنونوں سے ملتی ہیں، پاگلوں سے ملتی ہیں، دیوانوں سے ملتی ہیں اور ہم میں اور اُن میں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ اور چونکہ دنیا میں اکثر لوگ ایسے ہیں جو اس بات کے قائل نہیں اور وہ اِس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ خدا نے ایسا کہا ہے اِس لیے جب وہ ہمارے منہ سے اِن باتوں کو سنتے ہیں تو وہ ہمیں پاگل اور مجنون کہتے ہیں۔ ہم خود بھی اپنے سارے حالات کے لحاظ سے اپنے آپ کو مجنون ہی کہتے ہیں۔ لیکن اِس عقیدہ کی وجہ سے کہ خدا نے یہ باتیں ہمیں کہی ہیں۔ ہم حقیقتاً پاگل نہیں ہیں۔ مگر دوسری طرف اِس حقیقت کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ عملی طور پر جب تک واقع میں ایک جنون کی سی کیفیت پیدا نہ ہو جائے اور جب تک پاگلوں کی طرح ہر وقت یہ مقصد لوگوں کے سامنے نہ رہے کہ ہم نے خدا کا نام دنیا میں پھیلانا ہے، ہم نے خدا کے دین کو دنیا میں قائم کرنا ہے اُس وقت تک اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا نہیں ہوتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ایک دائمی سنت ہے جس کا اُس نے اِن الفاظ میں اظہار فرمایا ہے کہ حَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهٗ یعنی فتح تو ہو گی مگر اُسی صورت میں جب تم رات اور دن اور صبح اور شام اِس کام میں مشغول رہو گے اور اپنی توجہات کا نقطۂ مرکزی صرف اِسی امر کو ٹھہراؤ گے کہ تم نے اسلام کو قائم کرنا ہے، تم نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو دنیا میں روشن کرنا ہے۔

اِسی لیے مَیں نے جماعت کو کچھ عرصہ سے تین مختلف حصوں میں تقسیم کر دیا ہے تاکہ جماعت کا سارا زور اور اِس کی طاقت اسلام اور احمدیت کی اشاعت میں صَرف ہو۔ اسلامی عقائد کے قیام میں وہ مشغول ہو جائے اور اعمالِ خیر کی ترویج میں اس کی تمام مساعی صَرف ہونے لگ جائے۔ جماعت کے یہ تین اہم ترین حصے انصاراللہ، خدام الاحمدیہ اور اطفال الاحمدیہ ہیں۔ یہ ایک قدرتی بات ہے کہ جس قسم کا کوئی آدمی ہوتا ہے اُسی قسم کے لوگوں کی وہ نقل کرنے کا عادی ہوتا ہے۔ بوڑھے عام طور پر بوڑھوں کی نقل کرتے ہیں اور نوجوان عام طور پر نوجوانوں کی نقل کرتے ہیں اور بچے عام طور پر بچوں کی نقل کرتے ہیں۔

کہتے ہیں کہ کوئی بچہ تھا جو مکان کی چھت پر چڑھ کر اُس کے کنارہ کی طرف چلا گیا اور آہستہ آہستہ ایسی جگہ پہنچ گیا کہ قریب تھا وہ نیچے گر جائے۔ وہ چھت کے کنارے پر کھڑے ہو کر بازار کی طرف جھانک رہا تھا کہ اُس کی ماں نے اُسے دیکھ لیا اور اُس نے گھبرا کر اُسے پکڑنا چاہا تاکہ وہ کہیں نیچے نہ گر جائے۔ بچوں کی عادت ہوتی ہے کہ اگر اُن کو پکڑنے کے لیے کوئی دوڑے تو وہ اَور آگے کی طرف بھاگتے ہیں۔ جب اُس کی ماں نے گھبراہٹ کی حالت میں اُسے پکڑنا چاہا تو کسی سمجھدار انسان نے اُسے دیکھ لیا اور اُسے کہا کہ یہ بے وقوفی نہ کرنا۔ اگر تم نے ایسا کیا تو بچہ آگے کی طرف دَوڑے گا اور نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ نیچے گر جائے گا۔ اگر تم بچے کو آرام سے نیچے اتارنا چاہتی ہو تو اُس کا طریق یہ ہے کہ اس کے پیچھے کی طرف کوئی بچہ لا کر بٹھا دیا جائے۔ اُسے دیکھ کر یہ پیچھے کو مڑ جائے گا۔ اور یا کوئی شیشہ رکھ دیا جائے اُس شیشہ کو جب یہ دیکھے گا تو اپنا عکس اُس میں دیکھ کر خیال کرے گا کہ یہ بھی کوئی بچہ ہے اور جب یہ اُس کی طرف جھکے گا تو سمجھے گا کہ دوسرا بچہ بھی میری طرف جھک رہا ہے۔ اِس طرح وہ دوسرے بچہ کے خیال کے ماتحت اُسی جگہ بیٹھ جائے گا اور اس کے گرنے کا خطرہ جاتا رہے گا۔ چنانچہ وہ شیشہ لائی یا کوئی بچہ لا کر اُس کے پیچھے بٹھا دیا اور اِس طرح اُس بچہ کو سلامتی کے ساتھ نیچے اُتارنے میں کامیاب ہو گئی۔

تو دنیا میں یہ قاعدہ ہے کہ ایک قسم کی چیزیں ایک دوسرے کی طرف زیادہ جھکتی ہیں۔ نوجوان قدرتی طور پر یہ خیال کرتے ہیں کہ بوڑھوں کا کیا ہے وہ اپنی عمریں گزار چکے ہیں اور ہم وہ ہیں جو ابھی جوانی کی عمر میں سے گزر رہے ہیں۔ اِس وجہ سے اگر کوئی بوڑھا اُنہیں نصیحت کرے کہ اپنا وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے، اپنے اشغال اور افعال میں نیکی اور تقوٰی مدِ نظر رکھنا چاہیے اور کوئی ایسا کام نہیں کرنا چاہیے جو اخلاق اور مذہب کے خلاف ہو۔ تو وہ اُس کی بات کو مذاق میں اُڑا دیتے ہیں، اُس کی طرف کوئی توجہ نہیں کرتے اور خیال کرتے ہیں بوڑھوں کا کیا ہے یہ اپنے وقت میں تو مزے اُٹھا چکے ہیں اور اب ہمیں نصیحت کرنے لگ گئے ہیں کہ ہم ہر قسم کے کاموں سے اجتناب کریں۔ لیکن اگر ویسی ہی نصیحت اُنہیں کوئی نوجوان کرے تو وہ اُس کو یہ نہیں کہہ سکتے کہ تم اپنی عمر عیش و عشرت میں گزار کر اب ہمیں

نصیحت کرنے لگ گئے ہو۔ بلکہ وہ مجبور ہوتے ہیں کہ اُس کی نصیحت پر کان دھریں اور اُس کی بات کو تسلیم کریں کیونکہ وہ دیکھتے ہیں کہ یہ نصیحت کرنے والا بالکل ہمارے جیسا ہے۔ یہ بھی اُسی عمر کا ہے جو ہماری عمر ہے۔ اس کا بھی ویسا ہی دل ہے جیسا ہمارا دل ہے۔ اس کے اندر بھی ویسے ہی جذبات اور احساسات ہیں جیسے جذبات اور احساسات ہمارے اندر ہیں۔ لیکن جب یہ بھی ہمیں نصیحت کر رہا ہے تو ہمیں ضرور اس کی بات پر غور کرنا چاہیے۔ اور اگر کچھ نوجوان ایسے بھی ہوں جو اُس کی نصیحت پر عمل کرنے کے لیے تیار نہ ہوں تو کم سے کم وہ اعتراض کا کوئی اَور طریق اختیار کریں گے یہ نہیں کہیں گے کہ خود جوانی کی عمر میں مزے اٹھا کر اب ہمیں روکا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ ہم نیکی کی طرف توجہ کریں۔ اِسی طرح بچے بچوں کے ذریعہ بہت جلد سمجھ سکتے ہیں اور بوڑھے بوڑھوں کے ذریعہ باتیں سمجھنے کے عادی ہوتے ہیں۔ اگر کسی بوڑھے کے پاس کوئی نوجوان جا کر کہے کہ جناب! فلاں بات اِس طرح ہے اور آپ اس طرح کر رہے ہیں تو وہ فوراً اُس کی بات سنتے ہی کہہ دے گا کہ میاں! کوئی عقل کی بات کرو۔ تم ابھی کل کے بچے ہو اور مَیں بوڑھا تجربہ کار ہوں۔ تم اِن باتوں کی حقیقت کو کیا سمجھو۔ مَیں خوب جانتا ہوں کہ بات کس طرح ہے اور نیکی اور تقوٰی کا کونسا پہلو ہے۔ اِسی طرح اگر کوئی بچہ بوڑھے کو نصیحت کرے تو وہ نصیحت کی بات اُس بچہ کے مُنہ سے سُن کر ہنس پڑے گا اور کہے گا یہ پاگل ہو گیا ہے۔ ابھی تو خود ناتجربہ کار ہے۔ بچپن کے زمانہ میں ہے اور نصیحت مجھے کر رہا ہے۔ لیکن اگر بوڑھا بوڑھے کو نصیحت کرے تو وہ ضرور اُس نصیحت پر کان دھرے گا۔ کیونکہ وہ نہیں کہہ سکتا کہ تم تجربہ میں مجھ سے کم ہو مَیں تمہاری بات کس طرح مان سکتا ہوں۔

غرض یہ ایک حقیقت ہے کہ "ہم عمر" ہی اپنے "ہم عمروں" کو اچھی طرح سمجھا سکتے ہیں۔ بلکہ مَیں نے تو یہاں تک دیکھا ہے کہ اگر عمر میں پانچ دس سال کا فرق ہو تب بھی دوسرا شخص سمجھتا ہے کہ مَیں تو اَوروں کو نصیحت کرنے کا حق رکھتا ہوں۔ مگر کوئی دوسرا شخص جو عمر میں مجھ سے کم ہے چاہے چند سال ہی کم ہو یہ حق نہیں رکھتا کہ مجھے نصیحت کرے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں صدر انجمن احمدیہ کے اجلاس میں جب مختلف معاملات پر بحث ہوتی تو بسااوقات خواجہ کمال الدین صاحب،

مولوی محمد علی صاحب اور شیخ رحمت اللہ صاحب ایک طرف ہوتے اور بعض دوسرے دوست دوسری طرف اِن میں سے شیخ رحمت اللہ صاحب مولوی محمد احسن صاحب امروہی سے عمر میں صرف چار پانچ سال چھوٹے تھے۔ مگر مَیں نے کئی دفعہ دیکھا کہ جب آپس میں کسی بات پر بحث شروع ہو جاتی تو مولوی محمد احسن صاحب امروہی شیخ رحمت اللہ صاحب کو مخاطب کرکے کہتے کہ تم تو ابھی کل کے بچے ہو، تمہیں کیا پتہ کہ معاملات کو کس طرح طے کیا جاتا ہے۔ میرا تجربہ تم سے زیادہ ہے اور جو کچھ مَیں کہہ رہا ہوں وہی درست ہے۔ حالانکہ مولوی محمد احسن صاحب اور شیخ رحمت اللہ صاحب کی عمر میں صرف چار پانچ سال کا فرق تھا۔ مگر چار پانچ سال کے تفاوت سے ہی انسان یہ خیال کرنے لگ جاتا ہے کہ مجھے اِس بات کا حق حاصل ہے کہ دوسروں پر حکومت کروں، مجھے حق حاصل ہے کہ مَیں دوسروں کو نصیحت کا سبق دوں اور اُن کا فرض ہے کہ وہ میری اطاعت کریں اور جو کچھ مَیں کہوں اُس کے مطابق عمل بجالائیں۔ پس ایسی صورت میں اگر کوئی نوجوان کسی بوڑھے کو نصیحت کرے گا تو یہ صاف بات ہے کہ بجائے نصیحت پر غور کرنے کے اُس کے دل میں غصہ پیدا ہوگا کہ یہ نوجوان مجھے نصیحت کرنے کا کیا حق رکھتا ہے۔ اِس طرح بجائے بات کو ماننے کے وہ اَور بھی بگڑ جائے گا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بعض دفعہ انسان ایک بچہ کے منہ سے بھی نصیحت کی بات سن کر سبق حاصل کرلیتا ہے۔ مگر ایسا شاذ و نادر کے طور پر ہوتا ہے۔ اِسی طرح بعض دفعہ ایک نوجوان کے منہ سے کوئی بات سن کر ایک بوڑھا انسان بھی سبق حاصل کر سکتا ہے۔ مگر ایسا بہت کم اتفاق ہوتا ہے۔ عام طور پر عمر کے تفاوت کے ماتحت چاہے ایک بڑی عمر والا بیوقوف ہی کیوں نہ ہو وہ یہی سمجھتا ہے کہ میرا حق ہے کہ میری بات کو مانا جائے کیونکہ مَیں بڑی عمر کا ہوں دوسرے کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ مجھے نصیحت کرے یا مجھے کسی نقص کے اصلاح کی طرف توجہ دلائے۔ یہی حکمت ہے جس کے ماتحت مَیں نے انصاراللہ، خدام الاحمدیہ اور اطفال الاحمدیہ تین الگ الگ جماعتیں قائم کی ہیں تا کہ نیک کاموں میں ایک دوسرے کی نقل کا مادہ جماعت میں زیادہ سے زیادہ پیدا ہو۔ بچے بچوں کی نقل کریں، نوجوان نوجوانوں کی نقل کریں اور بوڑھے بوڑھوں کی نقل کریں۔ جب بچے اور نوجوان اور بوڑھے سب اپنی اپنی جگہ یہ دیکھیں گے کہ

ہمارے ہم عمر دین کے متعلق رغبت رکھتے ہیں، وہ اسلام کی اشاعت کی کوشش کرتے ہیں، وہ اسلامی مسائل کو سیکھنے اور اُن کو دنیا میں پھیلانے میں مشغول ہیں، وہ نیک کاموں کی بجا آوری میں ایک دوسرے سے بڑھ کر حصہ لیتے ہیں تو اُن کے دلوں میں بھی یہ شوق پیدا ہوگا کہ ہم بھی ان نیک کاموں میں حصہ لیں اور اپنے ہم عمروں سے نیکی کے کاموں میں آگے نکلنے کی کوشش کریں۔ دوسرے وہ جو رقابت کی وجہ سے عام طور پر دلوں میں غصہ پیدا ہوتا ہے وہ بھی پیدا نہیں ہوگا۔ جب بوڑھا بوڑھے کو نصیحت کرے گا، نوجوان نوجوان کو نصیحت کرے گا اور بچہ بچے کو نصیحت کرے گا تو کسی کے دِل میں یہ خیال پیدا نہیں ہوگا کہ مجھے کوئی ایسا شخص نصیحت کر رہا ہے جو عمر میں مجھ سے چھوٹا یا عمر میں مجھ سے بہت بڑا ہے۔ وہ سمجھے گا کہ میرا ایک ہم عمر جو میرے جیسے خیالات اور میرے جیسے جذبات اپنے اندر رکھتا ہے مجھے سمجھانے کی کوشش کر رہا ہے اور اِس وجہ سے اُس کے دل پر نصیحت کا خاص طور پر اثر ہوگا اور وہ اپنی اصلاح کی طرف متوجہ ہو جائے گا۔ مگر یہ تغیر اُسی صورت میں پیدا ہو سکتا ہے جب جماعت میں یہ نظام پورے طور پر رائج ہو جائے اور کوئی بچہ، کوئی نوجوان اور کوئی بوڑھا ایسا نہ رہے جو اِس نظام میں شامل نہ ہو۔ اگر جماعت کے چند بوڑھے اِس مقصد کے لیے اکٹھے ہو جاتے ہیں، اگر جماعت کے چند نوجوان اِس نظام کو جاری کرنے کے لیے اکٹھے ہو جاتے ہیں، اگر جماعت کے چند بچے اِس امر کی اہمیت کو سمجھ کر اکٹھے ہو جاتے ہیں تو اِن چند نوجوانوں، چند بوڑھوں اور چند بچوں کی وجہ سے اِس نظام کے وسیع اثرات ظاہر نہیں ہو سکتے اور نہ اِس کے نتیجہ میں ساری دنیا میں بیداری پیدا ہو سکتی ہے۔ ساری دنیا میں اِس تحریک کو قائم کرنے، ساری دنیا کو بیدار کرنے اور ساری دنیا کو اِس نظام کے اندر لانے کے لیے ضروری ہے کہ ہماری جماعت کے نوجوان اپنے آپ کو اِس قدر منظّم کر لیں کہ وہ یقینی اور حتمی طور پر کہہ سکیں کہ ہم نے اپنی اندرونی تنظیم کا کام اُس کے تمام پہلوؤں کے لحاظ سے پوری خوش اسلوبی کے ساتھ ختم کر لیا ہے۔ اسی طرح بچے اپنے آپ کو خدام الاحمدیہ کی مدد سے اِس قدر منظّم کر لیں کہ تنظیم کا کوئی پہلو ناقص نہ رہے اور اُن کا اندرونی نظام ہر جہت سے مکمل ہو جائے۔ یہی حال انصار اللہ کا ہو کہ وہ اپنے آپ کو اس طرح منظّم کر لیں، اِس طرح ایک نظام میں اپنے آپ کو منسلک کر لیں

کہ وہ مسرّت کے ساتھ یہ اعلان کر سکیں کہ ہم نے اپنی اندرونی تنظیم پورے طور پر مکمل کر لی ہے۔ اب ہم میں تنظیم کے لحاظ سے کسی قسم کی خامی اور نقص باقی نہیں رہا۔ جب خدام الاحمدیہ اور انصاراللہ اور اطفال الاحمدیہ تینوں اپنے آپ کو اِس رنگ میں منظّم کر لیں گے اور اپنی اندرونی خامیوں کو کُلّیۃً دور کر دیں گے تب وہ اِس قابل ہو سکیں گے کہ دوسروں کی اصلاح کریں اور تب دنیا مجبور ہو گی کہ اُن کی باتوں کو سُنے اور اُن پر غور کرے۔

مَیں نے دیکھا ہے بعض بچے چھوٹی عمر کے ہوتے ہیں لیکن چونکہ وہ ذہین ہوتے ہیں اور دین کی باتوں کو سمجھتے ہیں اِس لیے اُن کا طبعی طور پر دوسرے بچوں پر نمایاں اثر ہوتا ہے اور وہ بھی اِس رنگ کو اختیار کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ رنگ اُن کو خوبصورت دکھائی دیتا ہے اور وہ باتیں اُن کو جاذبیت رکھنے والی معلوم ہوتی ہیں۔ ہمارا ایک عزیز بچہ ہے۔ تین چار سال اُس کی عمر ہے مگر ذہین اور ہوشیار ہے۔ وہ اپنے رشتہ داروں کے ساتھ باہر گیا ہوا ہے جس گھر میں وہ ٹھہرے ہوئے ہیں اُس گھر کے بچوں پر اُس کا اِتنا اثر ہوا کہ انہی میں سے ایک لڑکے نے مجھے خط لکھا کہ آپ اپنے فلاں بچہ کو اجازت دیں کہ وہ ہمارے ساتھ مل کر ایک دفعہ میوزیکل کَنْسَرٹ (MUSICAL CONCERT) دیکھ لے۔ اُس نے لکھا کہ مَیں نے اسے بہت کہا ہے کہ ایک دفعہ ہمارے ساتھ میوزیکل کَنْسَرٹ دیکھ لو مگر وہ مانا نہیں۔ اُس نے کہا ہے کہ ہم ایسی چیزیں نہیں دیکھ سکتے کیونکہ ہمیں اِن چیزوں کے دیکھنے سے منع کیا گیا ہے۔ اُس نے یہ بھی لکھا کہ مجھے اس کی باتیں سن کر احمدیت کے متعلق رغبت پیدا ہو گئی ہے۔ وہ بھی ایک چھوٹا بچہ ہے مگر معلوم ہوتا ہے ہمارے عزیز کی طرح وہ بھی ذہین ہے اور بات کو بہت جلدی سمجھ جاتا ہے۔ پس ایک چھوٹی عمر کے بچے کا دوسرے سے یہ کہنا کہ ہم میوزیکل کَنْسَرٹ میں شامل نہیں ہو سکتے کیونکہ ہمیں اِن چیزوں کے دیکھنے سے منع کیا گیا ہے اور پھر دوسرے لڑکے کا میری طرف خط لکھنا کہ اسے ایک دفعہ اجازت دیجیے کہ وہ میوزیکل کَنْسَرٹ دیکھ لے بتاتا ہے کہ بچوں میں بھی یہ قابلیت پائی جاتی ہے کہ وہ ایک دوسرے کو سنبھال سکیں۔ اور نوجوانوں میں بھی یہ قابلیت پائی جاتی ہے کہ وہ ایک دوسرے کو سنبھال سکیں اور بوڑھوں میں بھی یہ قابلیت پائی جاتی ہے کہ وہ اپنے تجربہ اور اپنے علم اور اپنی

عقل سے دوسروں کی راہنمائی کر سکیں۔ مگر یہ فرض اپنی پوری خوش اسلوبی سے اُس وقت تک ادا نہیں ہو سکتا جب تک ہماری جماعت کے تمام نوجوان، تمام بوڑھے اور تمام بچے اپنی اندرونی تنظیم کو مکمل نہیں کر لیتے۔

ہماری جماعت کے سپرد یہ کام کیا گیا ہے کہ ہم نے تمام دنیا کی اصلاح کرنی ہے۔ تمام دنیا کو اللہ تعالیٰ کے آستانہ پر جھکانا ہے۔ تمام دنیا کو اسلام اور احمدیت میں داخل کرنا ہے۔ تمام دنیا میں اللہ تعالیٰ کی بادشاہت کو قائم کرنا ہے۔ مگر یہ عظیم الشان کام اُس وقت تک سرانجام نہیں دیا جاسکتا جب تک ہماری جماعت کے تمام افراد خواہ بچے ہوں یا نوجوان ہوں یا بوڑھے ہوں اپنی اندرونی تنظیم مکمل نہیں کر لیتے اور اُس لائحہ عمل کے مطابق دن اور رات عمل نہیں کرتے جو ان کے لیے تجویز کیا گیا ہے۔ دنیا میں ہمیشہ یہی طریق ہوتا ہے کہ پہلے اندرونی کمروں کی صفائی کی جاتی ہے پھر بیرونی کمروں کی صفائی کیا جاتی ہے۔ پھر صحن کی صفائی کی جاتی ہے۔ پھر ڈیوڑھی کی صفائی کی جاتی ہے اور پھر گلی کی صفائی کی جاتی ہے۔ یہ کبھی نہیں ہوا کہ کوئی شخص ڈیوڑھی یا باہر کی گلی تو صاف کرنے لگ جائے اور اُس کے اندرونی کمروں میں گند بھرا ہوا ہو۔ ہمیشہ بیرونی صفائی سے پہلے اندرونی صفائی کی جاتی ہے۔ باہر کی سڑکوں اور گلیوں اور صحن وغیرہ کو صاف کرنے سے پہلے اندرونی کمروں کی غلاظت اور گند کو دور کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد بیرونی کمروں کی صفائی کا وقت آتا ہے۔ پھر صحن کی صفائی کی طرف توجہ کی جاتی ہے۔ پھر گلی کی صفائی کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ اور جب اِن تمام مراحل کو طے کر لیا جاتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو توفیق عطا فرما دیتا ہے کہ وہ میونسپل کمیٹی کی شکل میں سارے شہر کی صفائی کا اہتمام کریں۔ پھر اس سے ترقی کر کے اللہ تعالیٰ بعض اَور لوگوں کو یہ توفیق عطا فرما دیتا ہے کہ وہ ایک حکومت کی شکل میں سارے ملک کی صفائی کا انتظام کریں۔ بہر حال یہ تدریج ضروری ہے اور بغیر جماعتی تنظیم اور اصلاح کو مکمل کرنے کے ہم ساری دنیا کی تنظیم اور اس کی اصلاح کی طرف توجہ نہیں کر سکتے۔ ہم اُسی وقت باہر کی طرف توجہ کر سکتے ہیں جب ہم اپنی اندرونی اصلاح کو مکمل کر لیں۔ جب ہم اپنے داخلی نظام کو مکمل کر لیں گے، جب ہم تمام جماعت کے افراد کو ایک نظام میں منسلک کر لیں گے تو اس کے بعد ہم بیرونی دنیا کی اصلاح کی طرف

کامل طور پر توجہ کر سکیں گے۔ اِس اندرونی اصلاح اور تنظیم کو مکمل کرنے کے لیے مَیں نے خدام الاحمدیہ، انصاراللہ اور اطفال الاحمدیہ تین جماعتیں قائم کی ہیں اور یہ تینوں اپنے اُس مقصد میں جو اِن کے قیام کا اصل باعث ہے اُسی وقت کامیاب ہو سکتی ہیں جب انصار اللہ، خدام الاحمدیہ اور اطفال الاحمدیہ اُس اصل کو اپنے مد نظر رکھیں جو حَیْثُ مَا کُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْھَکُمْ شَطْرَہٗ میں بیان کیا گیا ہے کہ ہر شخص اپنے فرض کو سمجھے اور پھر رات اور دن اُس فرض کی ادائیگی میں اِس طرح مصروف ہو جائے جس طرح ایک پاگل اور مجنون تمام اطراف سے اپنی توجہ کو ہٹا کر صرف ایک بات کے لیے اپنے تمام اوقات کو صَرف کر دیتا ہے۔ جب تک رات اور دن انصاراللہ اپنے کام میں نہیں لگے رہتے، جب تک رات اور دن خدام الاحمدیہ اپنے کام میں نہیں لگے رہتے اور جب تک اطفال الاحمدیہ اپنے کام میں نہیں لگے رہتے اور اپنے مقصد کو پورا کرنے کے لیے تمام اوقات کو صَرف نہیں کر دیتے اُس وقت تک ہم اپنی اندرونی تنظیم مکمل نہیں کر سکتے۔ اور جب تک ہم اپنی اندرونی تنظیم کو مکمل نہیں کر لیتے اُس وقت تک ہم بیرونی دنیا کی اصلاح اور اس کی خرابیوں کے ازالہ کی طرف بھی پوری طرح توجہ نہیں کر سکتے۔

یاد رکھو! وہ دن قریب ترین آتے جاتے ہیں جب دنیا کسی نہ کسی فیصلہ پر پہنچنے کی کوشش کرے گی۔ اِس وقت فاتح مغربی اقوام کے دماغ اِس امر کی طرف مائل ہو رہے ہیں کہ وہ جنگ کے بعد مفتوح قوموں کو بالکل کچل کر رکھ دیں اور ان کو ابتدائی انسانی حقوق سے بھی محروم کر دیں۔ گویا پرانے زمانہ میں جس غلامی کا دنیا میں رواج تھا اُسی غلامی کو بلکہ اُس سے بھی بدتر غلامی کو وہ اب پھر دنیا میں رائج کرنا چاہتی ہیں۔ اور ان اقوام میں سے بعض سرکردہ لوگ اِس امر کا اظہار کر رہے ہیں کہ وہ پرانے زمانہ کے غلاموں سے بھی بدترین سلوک جرمنی اور جاپان کے ساتھ کریں۔ دوسرے الفاظ میں یوں سمجھ لو کہ جیسے ابتدائی ایام میں آرین اقوام نے ہندوستان کی دیگر اقوام سے سلوک کیا تھا اور اُنہوں نے اِن اقوام کے لیے بعض خاص پیشے مقرر کر دیے تھے اور کہہ دیا تھا کہ وہ اِن پیشوں کے علاوہ اپنی معاش کے لیے کوئی اَور ذریعہ اختیار نہیں کر سکتے اور نہ ترقی کے لیے کوئی تدبیر اختیار کر سکتے ہیں۔ اِسی طرح آج انگلستان

اور امریکہ کے بعض اکابرین کی طرف سے یہ آوازیں اُٹھ رہی ہیں کہ جنگ کے بعد جرمنی اور جاپان دونوں کے لیے بعض پیشے مقرر کر دیے جائیں گے اور فیصلہ کر دیا جائے گا کہ وہ ان مخصوص پیشوں کے علاوہ اَور کوئی پیشہ اختیار نہیں کرسکتے۔ یہ چیزیں جب ظاہر ہوتی ہیں اُس وقت طبائع قدرتی طور پر فیصلہ کی طرف مائل ہوتی ہیں اور وہ اِس نتیجہ پر پہنچتی ہیں کہ موجودہ نظام کے علاوہ کوئی اَور نظام دنیا میں رائج ہونا چاہیے جو کمزور کی حق تلفی نہ کرے اور طاقتور کو ناجائز حقوق نہ دے۔ پس اگر جنگ کے بعد مفتوح اقوام سے اُسی قسم کا وحشیانہ سلوک کیا گیا جس قسم کا وحشیانہ سلوک اچھوت اقوام سے کیا گیا تھا تو یہ لازمی بات ہے کہ یورپ میں بھی اور امریکہ میں بھی اور جاپان میں بھی اور جرمنی میں بھی دنیا کے موجودہ نظام کے خلاف آوازیں اٹھنی شروع ہو جائیں گی، طبائع میں ایک ہیجان پیدا ہو جائے گا اور لوگوں کے اندر یہ احساس پیدا ہونا شروع ہو گا کہ موجودہ نظام تسلی بخش نہیں۔ اور وہی وقت ہو گا جب گرم گرم لوہے پر چوٹ لگا کر اُسے اسلام کے بتائے ہوئے طریق کے مطابق ڈھالا جاسکے گا۔

دیکھو! قرآن کریم نے لیگ آف نیشنز کے بعض اصول بیان کیے ہیں اور وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے کہ جب تک ان اصول پر لیگ آف نیشنز کی بنیاد نہیں رکھی جائے گی اُس وقت تک دنیا میں کبھی امن قائم نہیں ہوسکے گا۔ مَیں نے 1924ء میں اپنی کتاب "احمدیت یعنی حقیقی اسلام" میں ان اصول کو قرآن کریم کی آیات کی روشنی میں بیان کیا تھا۔ اِسی طرح جب مَیں ولایت گیا تو وہاں مختلف لیکچروں میں نہایت وضاحت اور تفصیل کے ساتھ میں نے ان اصول کا ذکر کیا۔ اِس کے بعد 1935ء میں جلسہ سالانہ کے موقع پر مَیں نے اپنے ایک لیکچر میں جو سیاسیاتِ عالم کے متعلق تھا اِس امر کو پھر بڑی تفصیل سے بیان کیا تھا اور بتایا تھا کہ جب تک قرآنی اصول پر لیگ آف نیشنز کی بنیاد نہیں رکھی جائے گی اُس وقت تک دنیا بین الاقوامی جھگڑوں سے کبھی امن حاصل نہیں کر سکتی۔ یہ تمام اصول میری کتاب میں چھپے ہوئے ہیں اور دنیا دیکھ سکتی ہے کہ وہ کیسے پختہ، کیسے شاندار اور کیسے زبردست اصول ہیں۔ آج لیگ آف نیشنز اگر اپنے مقصد میں ناکام ہوتی ہے تو اِسی وجہ سے کہ اُن اصول کو اس نے اپنے نظام میں شامل نہیں کیا تھا۔ اُنہی اصول میں سے ایک اصل مَیں نے یہ بیان کیا تھا کہ یہ

خیال کر لینا کہ اِس نظام کے قیام کے لیے کسی فوجی طاقت کی ضرورت نہیں نادانی اور حماقت ہے۔ یہ نظام قائم نہیں ہو سکتا جب تک اس کے ساتھ فوج کی بہت بڑی طاقت نہ ہو تاکہ جب بھی کوئی قوم لیگ آف نیشنز کے فیصلہ کی خلاف ورزی کرے اُس کے خلاف طاقت کا استعمال کر کے اُسے اپنے ناجائز طریقِ عمل سے روک دیا جاسکے۔ غرض مَیں نے وضاحت کے ساتھ اِس امر کا ذکر کر دیا تھا کہ لیگ آف نیشنز اُس وقت تک صحیح معنوں میں قائم نہیں ہو سکتی اور نہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکتی ہے جب تک اُس کے ساتھ فوجی طاقت نہ ہو۔ مَیں نے یہ اصل اپنی کتاب میں بیان کیا، اپنے لیکچروں میں بیان کیا اور بار بار اِس بات پر زور دیا مگر یورپین لوگوں کی طرف سے ہمیشہ یہی کہا گیا کہ یہ بالکل غلط ہے۔ ہم تو دنیا کو لڑائی سے بچانا چاہتے ہیں اور آپ پھر ایسی تجویز پیش کر رہے ہیں جس میں فوج اور طاقت کا استعمال ضروری قرار دیا گیا ہے۔ انگلستان میں جب میرے لیکچر ہوتے تو ان کے بعد عام طور پر لوگ یہی کہا کرتے کہ یہی تو وہی پرانی جنگی سپرٹ ہے جو دنیا میں پہلے سے قائم ہے۔ ہمارے نزدیک یہ تجویز درست نہیں، ہم نے لیگ کے اصول ایسے رکھے ہیں جن میں فوجی طاقت کو استعمال کرنے کی کوئی ضرورت پیش نہیں آسکتی۔ اُس کے اصول میں یہی روح کام کر رہی ہے کہ فوجی طاقت سے نہیں بلکہ دوسروں کو سمجھا کر صلح اور پیار کی طرف مائل کیا جائے اور اسے بدعنوانیوں سے روکا جائے۔ انسانی فطرت ایسی ہے کہ جب کسی غلط بات پر قائم ہو جائے تو خواہ اُسے ہزار کہا جائے وہ اپنی بات کو غلط تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتی۔ یورپین مدبّرین نے اُس وقت میری بات کو قابلِ اعتناء نہ سمجھا۔ مگر آج تمام مدبّرین یک زبان ہو کر کہہ رہے ہیں کہ لیگ آف نیشنز کی ناکامی کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اس کے پاس فوجی طاقت نہیں تھی۔ اگر اس کے پاس فوجی طاقت ہوتی تو اُس کا یہ انجام نہ ہوتا۔ حالانکہ یہ وہ اصول ہے جو قرآن کریم نے آج سے پورے چودہ سو سال پہلے سے بیان کیا ہوا ہے، قرآن کریم میں موجود ہے اور مَیں نے بڑی وضاحت سے آج سے کئی سال پہلے اِس کا اپنی کتابوں اور اپنے لیکچروں میں ذکر کر دیا تھا اور کہہ دیا تھا کہ لیگ آف نیشنز کے ساتھ فوجی طاقت کا ہونا نہایت ضروری ہے۔ لیکن اُسوقت توجہ نہ کی گئی جس کا نتیجہ نہایت تلخ اور افسوسناک نکلا۔

اِسی طرح ایک دوسری بات بھی مَیں نے اپنی کتاب "احمدیت" میں بیان کی ہوئی ہے جس کو آج مَیں بڑے زور سے بیان کر دیتا ہوں۔ پہلی بات کے متعلق لوگ کہہ دیتے ہیں کہ ہمیں اِس کا علم نہیں تھا کہ آپ نے اس اصول کا ذکر کیا ہوا ہے۔ اِس لیے اب مَیں دوسری بات کو ایک دفعہ پھر وضاحت کے ساتھ بیان کر دیتا ہوں۔ کیونکہ وہ بھی ایسی اہم ہے کہ اُس ہدایت کی خلاف ورزی دنیا میں کبھی نیک نتائج پیدا نہیں کر سکتی۔ اور ہمارے غیر ممالک کے مبلغین کو چاہیے کہ فوراً اِس اصل کی عام طور پر اشاعت شروع کر دیں تا بعد میں کوئی یہ نہ کہے کہ وقت پر ہمیں اِس طرف توجہ نہ دلائی گئی تھی۔ دوسری بات جو مَیں نے قرآن کریم کی روشنی میں بیان کی ہوئی ہے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب تم طاقت استعمال کر کے بگڑی ہوئی اور نافرمان پارٹی کو مفتوح کر لو، اُس پر پوری طرح غلبہ و اقتدار حاصل کر لو اور تم آخر میں اپنے اور دوسروں کے حقوق کے متعلق فیصلہ کرنے لگو تو یاد رکھو! اُس وقت جوش میں مفتوح قوم پر اپنا غصہ مت نکالو بلکہ جس حد تک جھگڑا ہو صرف اُسی حد تک اپنے فیصلوں کو محدود رکھو۔ یہ نہ ہو کہ جوش اور غصہ کی حالت میں تم اپنی حدود سے متجاوز ہو جاؤ اور اُس پر مظالم کرنے لگ جاؤ۔ یا کوشش کرو کہ وہ قوم اِس طرح کُچلی جائے کہ آئندہ صدیوں تک تمہارے مقابلہ میں سر نہ اٹھا سکے۔ تمہارا فرض ہے کہ تم صرف جھگڑے تک اپنے فیصلوں کو محدود رکھو اور ناجائز پابندیاں، ناجائز قیود اور ناجائز دباؤ مفتوح قوم پر مت ڈالو۔ اگر تم ایسا کرو گے تو اِس کے نتیجہ میں پھر فساد پیدا ہو گا، پھر بدامنی پیدا ہو گی، پھر لڑائی شروع ہو گی اور پھر دنیا کا امن برباد ہو جائے گا۔ یہ اصول ہے جس کو مَیں نے بڑی وضاحت سے اپنی کتاب میں بیان کیا ہوا ہے مگر مَیں دیکھتا ہوں جس طرح مغربی اقوام نے پہلے اصول کی خلاف ورزی کی تھی اُسی طرح آج وہ اِس اصول کی خلاف ورزی کے لیے تیار ہو رہی ہیں۔ چنانچہ اِس قسم کی آوازیں اُٹھنی شروع ہو گئی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ جنگ کے بعد جب روس، برطانیہ، امریکہ اور چین سب طاقتیں مل کر دنیا میں امن قائم کریں گی تو جرمنی اور جاپان سے نہ صرف وہ تمام چیزیں لے لی جائیں گی جن پر اُنہوں نے غاصبانہ قبضہ کیا تھا بلکہ ان کی بغاوت کی سزا کے طور پر ہمیشہ کے لیے اُن کی قوت کو کچل دیا جائے گا اور انہیں ابتدائی انسانی حقوق سے بھی محروم کر دیا جائے گا۔

ابتدائی انسانی حقوق میں سے ایک حق یہ ہے کہ ہر شخص کو اِس بات کا اختیار حاصل ہے کہ وہ جو پیشہ اپنے لیے مناسب سمجھتا ہے اُس پیشہ کو اپنی زندگی کا جزو بنا لے۔ اگر وہ تجارت کرنا چاہتا ہے تو تجارت کرے، زراعت کرنا چاہتا ہے تو زراعت کرے، صنعت و حرفت اختیار کرنا چاہتا ہے تو صنعت و حرفت اختیار کرے، سائنس کی طرف توجہ کرنا چاہتا ہے تو سائنس کی طرف توجہ کرے۔ مگر اِس حق سے بھی جرمنی اور جاپان کو محروم کرنے کی سکیمیں تیار ہو رہی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ان کے انڈسٹریل سکول بند کر دیے جائیں گے، انڈسٹریل سوسائیٹیاں توڑ دی جائیں گی اور اُن کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ صرف زمیندارہ کریں اور ضرورت سے زائد اُن کے پاس جو کچھ بچے وہ اُن سے خرید لیا جائے۔ یہ وہی سلوک ہے جو ہندوؤں نے اچھوت اقوام سے روا رکھا اور جس کی بناء پر انہوں نے مدتوں تک اچھوتوں کو سر نہ اٹھانے دیا۔ گویا وہی سلوک جو ہندوؤں نے اچھوت اقوام سے کیا تھا اب خطرہ ہے کہ مغربی اقوام اپنی مفتوح قوموں سے ویسا ہی سلوک کریں اور پھر دنیا کے ایک طبقہ کو بدترین غلامی کے چکر میں پھنسا دیں۔ کوئی کہہ سکتا ہے کہ ہندوؤں نے تو اچھوت اقوام سے ہزاروں سال تک فائدہ اٹھالیا۔ اب ممکن ہے مغربی اقوام بھی اِس طریق سے ایک لمبے عرصہ تک فائدہ اُٹھالیں۔ ہندوؤں کی تاریخ بہت مبالغہ آمیز ہے۔ اِس لحاظ سے ہزاروں سال کہنا تو صحیح نہیں ہو سکتا لیکن اِس میں کوئی شبہ نہیں کہ انہوں نے ڈیڑھ دو ہزار سال تک اچھوت اقوام کو اپنے ماتحت رکھا اور اس طرح ان سے فائدہ اٹھاتے رہے۔ پس اِس مثال کی بناء پر کوئی کہہ سکتا ہے کہ اب ممکن ہے یہ قومیں دوسری قوموں کو اچھوت بنا کر اُن سے لمبے عرصے تک فائدہ اٹھاتی رہیں۔ لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ گو اچھوت قوموں سے ہندو ہمیشہ فائدہ اٹھاتے رہے لیکن اِس کے ساتھ ہی ہندوستان کے ایک طبقہ کو اچھوت بنا کر خود ہندو قوم بھی ایک ہزار سال سے مغلوب ہوتی چلی آئی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ چُوڑھوں سے مغلوب نہیں ہوئی، وہ سانسیوں سے مغلوب نہیں ہوئی، وہ بھیلوں سے مغلوب نہیں ہوئی مگر وہ پہلے یونانیوں اور پھر پٹھانوں اور بعد میں مغلوں سے مغلوب ہوگئی۔ اور اِس مغلوبیت کی وجہ یہی تھی کہ ملک کی اکثریت ایسی تھی جسے حکومت سے کوئی ہمدردی نہیں تھی، اس کے معاملات سے اسے کوئی دلچسپی نہیں تھی اور اس کی خیر خواہی

اور بھلائی اس کے مد نظر نہیں تھی کیونکہ وہ سمجھتی تھی ہم خواہ جیئیں یا مریں حکومت کو ہمارے ساتھ کوئی ہمدردی نہیں ہے۔ پس اِس میں کوئی شبہ نہیں کہ اچھوت اقوام سے آرین اقوام نے ذلت کا سلوک روا رکھا، اُن کے حقوق کو تلف کیا اور ان کی ترقی کو روک دیا۔ مگر اِسی وجہ سے خدا نے اَور قوموں کو کھڑا کر دیا جنہوں نے مقابلہ کیا۔ اس طرح وہی قوم جس نے اچھوتوں کو ذلیل کیا تھا اُسے خود دوسروں کا محکوم بننا پڑا۔ اِسی طرح بالکل ممکن ہے کہ اگر فاتح مغربی اقوام جرمنی اور جاپان سے اچھوتوں والا سلوک کریں تو گو جرمنی اور جاپان سے یہ قومیں ذلت نہ اٹھائیں مگر اِس ظلم کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ بعض اَور قومیں کھڑی کر دے جن کا مقابلہ ان کے لیے آسان نہ ہو۔

پس دنیا پھر خدانخواستہ ایک غلطی کرنے والی ہے۔ پھر خدانخواستہ ایک ظلم کا بیج بونے والی ہے۔ پھر ایک ایسی حرکت کرنے والی ہے جس کا نتیجہ کبھی اچھا پیدا نہیں ہو سکتا۔ اور ہمارا فرض ہے کہ ہم خدا تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ اِس غلطی سے حاکم اقوام کو بچائے۔ اور دوسری طرف ہمارا فرض ہے کہ ہم دنیا کو اِس غلطی سے آگاہ کریں اور تبلیغِ اسلام کے متعلق زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھائیں۔ اِس جنگ کے بعد کم سے کم دو ملک ایسے تیار ہو جائیں گے جو ہماری باتوں پر سنجیدگی اور متانت کے ساتھ غور کریں گے۔ یعنی جرمنی اور جاپان۔ یہ دو ملک ایسے ہیں جو ہماری باتیں سننے کے لیے تیار ہو جائیں گے۔ خصوصاً جرمنی ایک ایسا ملک ہے جو اِس لحاظ سے خاص طور پر اہمیت رکھتا ہے۔ ہم ان لوگوں کے پاس پہنچیں گے اور انہیں بتائیں گے کہ دیکھو! عیسائیت کتنی ناکام رہی کہ عیسائیت کی قریباً دو ہزار سالہ غلامی کے بعد بھی تم غلام کے غلام رہے اور غلام بھی ایسے جن کی مثال سوائے پرانے زمانہ کے اور کہیں نظر نہیں آسکتی۔ اس وقت ان کے دل اسلام کی طرف راغب ہوں گے اور ان کے اندر یہ احساس پیدا ہو گا کہ آؤ ہم عیسائیت کو چھوڑ کر اسلام پر غور کریں اور دیکھیں کہ اس نے ہمارے دکھوں کا کیا علاج تجویز کیا ہوا ہے۔ پس وہ وقت آنے والا ہے جب جرمنی اور جاپان دونوں کے سامنے ہمیں عیسائیت کی ناکامی اور اسلامی اصول کی برتری کو نمایاں طور پر پیش کرنا پڑے گا۔ اِسی طرح انگلستان اور امریکہ اور روس کے سمجھدار طبقہ کو (اور کوئی ملک ایسے سمجھدار طبقہ

سے خالی نہیں ہوتا) اسلام کی تعلیم کی برتری بتا سکیں گے۔ مگر یہ اُسی وقت ہو سکتا ہے جب ہماری طاقت منظّم ہو، جب ہماری جماعت کے تمام افراد زیادہ سے زیادہ قربانیاں کرنے کے لیے تیار ہوں، جب کثرت سے مبلغین ہمارے پاس موجود ہوں اور جب ان مبلغین کے لیے ہر قسم کے سامان ہمیں میسر ہوں۔ اِسی طرح یہ کام اُسی وقت ہو سکتا ہے جب جماعت کے تمام نوجوان پورے طور پر منظّم ہوں اور کوئی ایک فرد بھی ایسا نہ ہو جو اِس تنظیم میں شامل نہ ہو۔ وہ سب کے سب اس ایک مقصد کے لیے کہ ہم نے دنیا میں اسلام اور احمدیت کو قائم کرنا ہے اِس طرح رات اور دن مشغول رہیں جس طرح ایک پاگل اور مجنون شخص تمام جہات سے اپنی توجہ ہٹا کر صرف ایک کام کی طرف مشغول ہو جاتا ہے۔ وہ بُھول جاتا ہے اپنی بیوی کو، وہ بُھول جاتا ہے اپنے بچوں کو، وہ بُھول جاتا ہے اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کو اور صرف ایک مقصد اور ایک کام اپنے سامنے رکھتا ہے۔ اگر ہم یہ جنون کی کیفیت اپنے اندر پیدا کر لیں اور اگر ہماری جماعت کا ہر فرد دن اور رات اِس مقصد کو اپنے سامنے رکھے تو یقیناً خدا تعالیٰ ہماری جماعت کے کاموں میں برکت ڈالے گا اور اس کی کوششوں کے حیرت انگیز نتائج پیدا کرنا شروع کر دے گا۔ اب بھی خدا تعالیٰ کے فضل سے ہماری جماعت کا دنیا پر غیر معمولی رُعب پایا جاتا ہے اور بہت سے شہر ایسے ہیں جہاں احمدیہ انجمنیں قائم ہو چکی ہیں۔ بے شک ایسے بھی کئی شہر ہیں جہاں ابھی تک کوئی احمدی نہیں اور ایسے بھی شہر ہیں جن میں صرف ایک ایک احمدی ہے مگر باوجود اِس کے ہندوستان میں ہماری جماعت کی دھاک بیٹھی ہوئی ہے اور لوگوں کے دل محسوس کرتے ہیں کہ یہ ایک کام کرنے والی اور دنیا میں ترقی کرنے والی زندہ قوم ہے۔ اِسی طرح تم مصر چلے جاؤ، عرب چلے جاؤ، شام چلے جاؤ، ٹرکی چلے جاؤ سب جگہ لوگوں کو یہی کہتا سنو گے کہ جماعتِ احمدیہ بہت بڑا کام کر رہی ہے۔ حالانکہ ساری دنیا میں ہمارے صرف آٹھ دس مبلغ ہیں اور تعداد کے لحاظ سے ہم دوسروں کے مقابلہ میں کوئی حقیقت ہی نہیں رکھتے۔ مگر بوجہ اِس کے کہ ہماری جماعت کے افراد دوسروں سے بہت زیادہ قربانی اور ایثار کا مادہ اپنے اندر رکھتے ہیں اور اسلام کی اشاعت کے لیے وہ جس قدر کوشش کرتے ہیں اُس کا عُشرِ عشیر بھی دوسرے مسلمانوں میں نظر نہیں آتا۔ جہاں چلے جاؤ احمدیت کی تعریف میں لوگ

رطبُ اللّسان ہوں گے اور وہ اِس حقیقت کو بر ملا بیان کر رہے ہوں گے کہ جماعت احمدیہ ایک زندہ جماعت ہے۔ یورپ اور امریکہ جیسے ممالک میں اِس وقت تک قریباً بارہ کتابیں ایسی چھپ چکی ہیں جو احمدیت کے متعلق ہیں یا ان کتابوں میں احمدیت کے متعلق کوئی نہ کوئی مضمون لکھا گیا ہے۔ اِن سب کتابوں میں یورپین اور عیسائی مصنفین نے اقرار کیا ہے کہ مسلمانوں میں صرف جماعت احمدیہ ہی ایک کام کرنے والی اور ہر قسم کی قربانیوں میں حصہ لینے والی قوم ہے۔ اگر عیسائیت کو آج کسی قوم سے خطرہ ہے تو وہ صرف احمدی قوم ہے۔ اور کسی مذہب یا مذہب کے کسی فرقہ سے عیسائیت کو اتنا خطرہ نہیں جتنا احمدیت سے ہے۔ حالانکہ ہم اپنی جماعت کے جو حالات جانتے ہیں اُن کے لحاظ سے ہم سمجھتے ہیں کہ ظاہری طاقت کے لحاظ سے ہم دوسروں کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں۔ پس جب ہماری تھوڑی سی کوشش، تھوڑی سی قربانی اور تھوڑی سی جدوجہد کے بعد دنیا پر اِس قدر رعب پڑ سکتا ہے تو اگر ہماری ساری جماعت منظّم ہو جائے، اگر ہماری جماعت کے نوجوان بھی اور بوڑھے بھی اور بچے بھی اپنی اندرونی اصلاح کرنے کے بعد بیرونی دنیا کی اصلاح کی طرف متوجہ ہو جائیں تو غور کرنا چاہیے ہمارے اِس رُعب میں کتنا بڑا اضافہ ہو سکتا ہے۔ یقیناً موجودہ رُعب سے ہزاروں گُنا رُعب ہماری جماعت کا ہو سکتا ہے۔ اور موجودہ تعداد سے ہزاروں گُنا تعداد ہماری جماعت کی بڑھ سکتی ہے۔ اور نہ صرف رُعب اور تعداد کے لحاظ سے ہماری جماعت میں اضافہ ہو سکتا ہے بلکہ ہم موجودہ کام سے ہزاروں گُنا زیادہ کام کر کے دنیا کو دکھا سکتے ہیں۔ اب بھی ہماری یہ حالت ہے کہ باوجود اِس کے کہ ہم کمزور ہیں، ہمارے پاس سامان نہیں، ہمارے پاس دولت اور طاقت نہیں ہے پھر بھی بعض ممالک میں احمدیت کی دھاک بیٹھ چکی ہے۔ مثلاً! افریقہ ایک بہت بڑا برّاعظم ہے۔ اُس کا مغربی حصہ نصف برّاعظم ہے۔ اس نصف برّاعظم میں ہمارا تبلیغ کرنا ایسا ہی ہے جیسے روس کے کنارہ سے جاپان تک کے علاقہ کو تبلیغ کی جائے۔ ہمارے اس وسیع علاقہ میں صرف چار مبلغ کام کر رہے ہیں۔ مگر ان چار مبلغوں کی تبلیغ کے نتیجہ میں افریقہ کے سارے کنارے میں ایک دھوم مچی ہوئی ہے۔ ہزارہا لوگ ہیں جو احمدیت قبول کر چکے ہیں۔ گورنمنٹ ہے تو اُس پر جماعت کا اثر ہے اور یورپین مصنفین کُھلے بندوں تسلیم کرتے ہیں کہ عیسائیت کے مقابلہ میں

جماعت احمدیہ کے مشنری اس علاقہ میں جو کچھ کر رہے ہیں وہ عیسائیت کے لیے نہایت خطرناک ہے۔ غرض گورنمنٹ کیا اور پبلک کیا سب جماعت احمدیہ کی طاقت کو تسلیم کرتے ہیں اور وہ دلائل کے میدان میں ہمارا مقابلہ کرنے سے گھبراتے ہیں حالانکہ ہمارے وہاں صرف چار مبلغ ہیں۔ چار مبلغ ایک ضلع کے لحاظ سے بھی بہت کم ہیں مگر چونکہ اللہ تعالیٰ کی تائید اور اُس کی نصرت ہمارے شاملِ حال ہے اور وہ اپنے فضل سے ہماری ناچیز کوششوں میں بھی برکت پیدا کر دیتا ہے۔ اِس لیے اُن چار احمدی مبلغین کا ایک وسیع علاقہ پر حیرت انگیز اثر ظاہر ہو رہا ہے۔ وہ علاقہ اِتنا وسیع ہے کہ اُس کی لمبائی کئی ہزار میل کی ہے اور اس علاقہ کو اگر ایک جہاز طے کرنے لگے تو اُسے بھی سات آٹھ دن لگ جاتے ہیں۔ مگر اتنے وسیع علاقہ میں صرف چار احمدی مبلغین کی تبلیغ کے نتیجہ میں جماعت کی دھاک بیٹھ چکی ہے اور ہر جگہ یہ احساس پایا جاتا ہے کہ جماعت احمدیہ کا مقابلہ کرنا کوئی آسان بات نہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہاں بعض مقامی مبلغ بھی کام کر رہے ہیں مگر وہ بھی ہمارے مبلغین نے ہی تیار کیے ہیں۔ اس لیے اُن کا کام بھی ایک لحاظ سے ہمارے مبلغین کا ہی کام ہے۔ پس اگر چار مبلغین کی کوششوں کے نتیجہ میں ایک وسیع برّاعظم کے لوگوں میں اِتنا بڑا تغیر پیدا ہو سکتا ہے تو اگر ہماری ساری جماعت اسلام اور احمدیت کی اشاعت کے لیے کھڑی ہو جائے اور دن اور رات اِس کام میں لگ جائے، وہ اپنے آرام کو نظر انداز کر دے، اپنی سہولت کو پسِ پُشت پھینک دے اور دیوانہ وار اس کام میں مشغول ہو جائے تو گو ہماری تعداد تھوڑی ہے، ہمارے پاس اَور اقوام کے مقابلہ میں سامان بہت کم ہیں مگر یقیناً اِس مجنونانہ کوشش کے نتیجہ میں دنیا میں ایک عظیم الشان تغیر رونما ہو جائے گا اور ایک بہت بڑا انقلابِ الٰہی ہاتھوں سے ظاہر ہو گا۔ بے شک آج ہمارے دعووں کو جنون سمجھا جاتا ہے، آج ہمارے دعووں پر ہنسی اُڑائی جاتی ہے، آج ہمارے کاموں کی تحقیر کی جاتی ہے لیکن اگر ہماری جماعت اپنی کوششوں کو اِسی طرح بڑھاتی چلی جائے تو کل دنیا میں یہ سمجھا جائے گا کہ اِن ہاتھوں سے اُس عظیم الشان قربانی کی وجہ سے جس کا نمونہ اِس جماعت نے دکھایا یہ کام ہو جانا لازمی اور ضروری تھا۔ ضرورت صرف اِس امر کی ہے کہ ہمارے اندر ایک مجنونانہ جوش پیدا ہو جائے، ایک آگ ہو جو ہمارے سینہ میں ہر وقت سُلگ رہی ہو، بے تابی

ہو جو ہمیں کسی پہلو چین نہ لینے دیتی ہو اور ہم پورے عزم اور استقلال کے ساتھ اِس بات پر قائم ہوں کہ ہماری زندگیوں کا مقصد سوائے اِس کے اَور کچھ نہیں کہ اسلام اور احمدیت پر عمل اوراسلام اور احمدیت کے لیے قربانی"۔ (الفضل 11/ اکتوبر 1944ء)

---

1 :البقرۃ:151

2 :مانومینیا:(MANOMANIA)اپنی خواہش، خیال یا نظریہ کے پیچھے دیوانہ ہو جانا اور اپنے اوپر غالب کر لینا